مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
ڈائریکٹر فقہ اکیڈمی انڈیا

# کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ؟

## راشد شاذ کی حقیقت پر یہ تحریر

مدارس کے فارغین کو عصری تعلیمی اداروں سے استفادہ کرتے ہوئے عصری علوم کو حاصل کرنا چاہئے یا نہیں؟ اس میں علما و اربابِ دانش کے درمیان فکر و نظر کا اختلاف پایا جاتا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ دینی مدارس کے فارغین کو عصری دانش گاہوں میں شریک نہیں ہونا چاہئے، اس کے دو نقصانات ذکر کئے جاتے ہیں، ایک یہ کہ اس سے دینی خدمت کے میدان میں افراد کم ہو جائیں گے اور مدارس کا جو بنیادی مقصد ہے وہی حاصل نہیں ہو سکے گا، دوسرے: جب مدارس کے یہ فارغین عصری درسگاہوں میں جائیں گے تو وہ وہاں کے ماحول سے متاثر ہو جائیں گے، ان کی وضع قطع تبدیل ہو جائے گی اور وہ اصل ڈگر سے ہٹ جائیں گے، یہ دونوں باتیں بے اصل نہیں ہیں؛ لیکن موجودہ حالات میں طلبہ کی اتنی بڑی تعداد مدارسِ اسلامیہ سے فارغ ہو رہی ہے کہ ان کو جگہ نہیں مل پاتی؛ بلکہ بعض دفعہ تو غول کا غول بڑے شہروں میں ملازمت کی تلاش میں مدرسوں اور مسجدوں کا چکر لگاتا ہوا نظر آتا ہے اور جب جگہ فراہم نہیں ہوتی ہے تو سخت مایوسی کا شکار ہوتا ہے، ان میں سے کچھ تو چھوٹے چھوٹے کاموں میں لگ جاتے ہیں، کچھ ہمت ہار کر بے دلی کے ساتھ کمیٹیوں کے تحت ایک طرح کی غلامی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کچھ اور جو کسی قدر ذہین و باصلاحیت ہوتے ہیں بے ضرورت مدرسہ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں، بچوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ اگر ایسے دس مدرسوں کو جمع کر دیا جائے تب بھی طلبہ کی مطلوبہ تعداد پوری نہ ہو سکے۔

### بلا ضرورت مدارس کا قیام

گذشتہ دنوں مجھے ایک ایسے شہر جانے کا موقع ملا جہاں چھ سات منزلہ بلڈنگ تھی اور اس میں سے ایک ایک منزل میں تین مدرسے قائم تھے، ظاہر ہے کہ کسی واقعی ضرورت کے بغیر قائم ہونے والے یہ مدارس امت پر بوجھ ہیں اور بہت سی دفعہ یہ مدارس کے بارے میں بدگمانی کا سبب بھی بنتے ہیں؛ اس لئے آج سے تیس چالیس سال پہلے تک تو یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ اگر مدارس کے فضلا دوسرے کاموں میں

مشغول ہوگئے تو دینی خدمت گذاروں کی کمی ہوجائے گی ؛ لیکن اب یہ صورت حال نہیں ہے ، رہ گیا دیہاتوں میں معلمین کا دستیاب نہیں ہونا تو یہ علما کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے ؛ بلکہ اس لئے ہے کہ دیہاتوں میں سہولتوں کے مہیا نہ ہونے ،حق الخدمت کے ناقابل بیاں حد تک کم ہونے اور خود فضلا میں داعیانہ جذبہ مفقود ہونے کی وجہ سے علما وہاں جانے کو تیار نہیں ہیں۔

## فضلائے مدارس کے بارے میں ارباب مدارس کے لئے لمحہ فکریہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ عصری دانش گاہوں میں جانے والے بہت سے فضلا مدارس اپنی اس پہچان کو قائم نہیں رکھ پاتے ، جو مدرسہ کی تعلیم وتربیت کی بنیاد پر انھیں حاصل ہوئی تھی ؛ لیکن اس سلسلہ میں خود مدارس کو غور کرنا چاہئے کہ ان کے طریقہ تعلیم وتربیت میں کیا کمی ہے کہ وہ اپنا رنگ دوسروں پر ڈالنے کے بجائے خود دوسروں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں ؛ حالاں کہ جو نوجواں دینی جماعتوں اور تحریکوں سے مربوط ہوتے ہیں وہ بہت جلد اپنے فکر وعمل میں اس درجہ پختہ ہوجاتے ہیں کہ ان پر مخالف ماحول کی کوئی آنچ نہیں آتی ، دوسرے : اس کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں بھی ایسے اہل علم کی ضرورت ہے ، جو دین سے واقف ہوں ، اِس کی ضرورت پرائمری سطح سے لے کر یونیورسیٹوں تک ہے ، اگر مدارس کے فضلا کو اس میدان میں خدمت کا موقع مل جائے خواہ سرکاری ادارے ہوں یا پرائیوٹ ، تو ان کی تعلیم وتربیت طلبہ پر بہتر اثر ڈالتی ہے۔

## ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اساتذہ کی فکری ونظریاتی حالت

ہندوستان کی بعض یونیورسیٹوں میں آج سے پچاس سال سے پہلے کمیونسٹ اور بے دین اساتذہ کا غلبہ تھا ، اسلامک اسٹیڈیز میں ایسے اساتذہ اسلامیات پڑھاتے تھے جو برملا قرآن وحدیث کا انکار کرتے تھے اور اسلام کے بارے میں طلبہ کے ذہن میں زہر گھولتے تھے ؛ لیکن گذشتہ کم از پچیس سالوں سے یہ صورت حال بدل چکی ہے اور اب عصری جامعات میں مدارس کے علما نمایاں مقام حاصل کررہے ہیں ، یہاں تک کہ بعضوں نے آئی ، اے ، ایس اور آئی ، پی ، ایس بننے میں بھی کامیابیاں حاصل کی ہیں ، ان میں سے بعض تو اپنی دینی وضع قطع کے ساتھ مخالف ماحول میں خدمت کررہے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اگرچہ اپنی اس روایتی شناخت پر قائم نہیں رہ سکے ؛ لیکن کم سے کم ان کی وہ سوچ باقی رہی ، جو وہ مدارس سے لے کر گئے تھے ، اس کے نتیجے میں اِلحاد اور بددینی کی فضا دور ہوئی ، آج مختلف اقلیتی یونیورسیٹوں میں اِس کے مناظر دیکھے جاسکتے ہیں ، جو لوگ اتنے کمزور کردار اور کوتاہ فکر کے حامل ہوں کہ عوام کی ناک کی طرح ان کی

شکل بدلتی رہتی ہو، اگر عصری اداروں میں نہ جائیں اور مدرسہ ومسجد کے علاوہ زندگی کے کسی اور شعبہ چلے جائیں، تب بھی ان کا یہی رویہ سامنے آتا ہے۔

## فضلائے مدارس کی عصری جامعات سے استفادہ

اس لئے دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مدارس کے فضلا کو دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی سہولت کے لحاظ سے عصری تعلیمی اداروں سے بھی استفادہ کی کوشش کرنی چاہئے، خود تحریک مدارس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے سرسید احمد خاں مرحوم کو خط لکھا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ مدرسہ عربیہ دیوبند سے تعلیم حاصل کر کے طلبہ علی گڑھ جائیں نیز آپ نے سرسید احمد خاں کی خواہش پر اپنے داماد عبداللہ انصاری کو شعبہ دینیات کے ذمہ دار کی حیثیت سے وہاں بھیجا تھا؛ اِس لئے معتدل رائے یہی ہے کہ جن فارغین مدارس کو فراغت وقت میسر ہو، مالی استطاعت ہو اور مزید حصولِ علم کی پیاس ہو تو وہ اِس نیت سے عصری تعلیمی اداروں سے استفادہ کریں کہ وہ اِسے کسبِ معاش کے ساتھ ساتھ کسبِ معاد کا اور خدمتِ دنیا کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین کا بھی ذریعہ بنائیں گے۔ اِدھر کچھ عرصہ سے مدارس کے فضلا مزید حصولِ تعلیم کے لئے عصری جامعات کا رخ کر رہے ہیں، عام طور پر ان کا داخلہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز، شعبہ عربی اور شعبہ اردو میں لیا جاتا ہے اور اپنے سابقہ تعلیمی پس منظر کی وجہ سے وہ اِن شعبوں میں امتیازی مقام حاصل کرتے ہیں، بعض اوقات یہ ان کے لئے روزگار کا وسیلہ بھی بن جاتا ہے اور اس سے خود ان کی ذات اور خاندان کو فائدہ پہنچتا ہے؛ لیکن ان کی یہ تعلیمی کاوش اسلام اور مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔

## فضلائے مدارس کا عصری تعلیمی شعبوں سے وابستگی

اگر ان کا داخلہ دوسرے تعلیمی شعبوں جیسے قانون، معاشیات، میڈیا، تاریخ وغیرہ میں ہونے لگے تو اس سے ان کو بھی فائدہ ہوگا اور قوم وملت کو بھی، وہ اِن شعبوں میں اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کر سکیں گے، جو غلط فہمیاں اسلام کے خلاف پھیلائی جارہی ہیں، ان کو دور کر سکیں گے اور آئندہ اگر انھیں اِن ہی شعبوں میں تدریس کا موقع مل گیا تو وہ ایک بصیرت مند مسلمان قانون داں، مسلمان صحافی اور مسلمان ماہر معاشیات وغیرہ تیار کر سکیں گے، یہ یقیناً ایک بڑا کام ہوگا؛ لیکن یہ فضلا اِن شعبوں میں کس طرح داخلہ لیں اور ان نامانوس مضامین کو کیوں کر پڑھیں؟

## برج کورس کے مقاصد

اس کے لئے برج کورس کا ایک طریقہ کار سوچا گیا، اب حکومت مختلف اقلیتی یونیورسیٹیوں میں ایسے برج کورس کا راستہ کھول رہی ہے؛ تاکہ مدارس کے فضلا کو خصوصی تعلیم وتربیت کے ذریعہ دوسرے

شعبوں میں داخلہ کے لئے تیار کیا جائے اور وہ امتحان پاس کر کے اِن شعبوں میں داخل ہوں، یہ ایک بہتر قدم ہے اور اگر اِس کا صحیح استعمال ہو تو اس کا اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ملک کی پہلی اقلیتی یونیورسٹی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (جس کی ایک روشن تاریخ اور تعلیمی خدمت کا زبردست ریکارڈ ہے) نے بجاطور پر برج کورس کے قیام میں پیش قدمی کی اور وہاں مدارس کے فضلا داخلہ لینے لگے، جو لوگ دینی وعصری تعلیم کے امتزاج کے سلسلے میں معتدل فکر رکھتے ہیں اور وسیع افق میں اسلام کی ترجمانی اور نئی نسل کی تربیت اور ذہن سازی کے بارے میں سوچتے ہیں، ان کے لئے یقیناً یہ خبر بڑی خوش آئند تھی؛

## راشد شاذ کے تفردات اور شذوذات

لیکن افسوس کہ بقول علامہ اقبالؒ:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
میں سمجھتا تھا کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ فرہاد بھی ساتھ

بجائے اِس کے کہ دین دار، ماہرین فن کے ذریعہ اِن فضلا کی تعلیم وتربیت کی جاتی، وہاں ایک ایسے صاحب کو اِس کام پر مامور کر دیا گیا جن کا نام شاذ ہے اور جو واقعی اسم بامسمی ہیں، ان کی فکر الف سے ی تک شذوذ، تفرد، توارت سے بغاوت اور سلف صالحین کے مسلمات سے انکار بلکہ ان کی بے توقیری پر مبنی ہے۔

## دین کی بنیاد قرآن وسنت

اِس کی تفصیل یہ ہے کہ دین کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول پر ہے، قرآن مجید متن ہے، جو اللہ تعالی کی طرف سے انسانیت کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور حدیث پیغمبر کی زبان اور عمل سے قرآن مجید کی تشریح ہے، خود قرآن نے آپ کے شارح قرآن ہونے کی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل: ٤٤)

## وحی متلو اور غیر متلو کی اطاعت لازمی

اور پھر آپ کی یہ تشریحات آپ کی طرف سے نہیں ہیں؛ بلکہ یہ بھی اللہ تعالی ہی کی طرف سے

ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے خود ہی اس کے بیان کی ذمہ داری بھی لی ہے: ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القيامة:١٩) تو قرآن ہی کی طرح بیان قرآن یعنی حدیث بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے، اسی لئے ارشاد فرمایا گیا: کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، اپنی طرف سے نہیں فرماتے؛ بلکہ وحی الٰہی کی بنا پر فرماتے ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى (النجم :٣-٤)

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ جو کچھ تلاوت کرتے ہیں، وہ اللہ کی وحی کی بنا پر، اگر ایسا کہا جاتا تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ صرف قرآن اللہ کی طرف سے ہے، جس کی تلاوت کی جاتی ہے بلکہ فرمایا گیا کہ آپ جو کچھ بھی بولتے ہیں، یہ سب اللہ کی طرف سے وحی ہے، خواہ اللہ تعالی نے آپ پر الفاظ اتارے ہوں جیسا کہ قرآن مجید ہے، یا اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے پر اپنی مرضیات کا القا کیا ہو اور آپ نے اس کو اپنے الفاظ میں بیان کردیا ہو، جیسا کہ حدیثیں ہیں؛ اسی لئے حکم ربانی ہوا کہ رسول جو کچھ بھی عطا فرمائیں، اسے قبول کرو اور جن باتوں سے بھی روک دیں، ان سے بچو، خواہ یہ حکم اور ممانعت قرآنِ کریم مذکور ہو یا نہ ہو:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر :٧)

## قرآن کریم کے احکامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحتیں

اِس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید کے بیشتر احکام پر رسول اللہ کی وضاحتوں کو نظر انداز کرکے عمل نہیں کیا جاسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی وضاحت اپنے قول سے بھی فرمائی ہے اور عمل سے بھی، جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو اپنے کانوں سے سنا ہے اور جن باتوں کو سمجھنے میں دشواری ہوسکتی تھی، ان کے بارے میں استفسار کیا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور آپ کی خاموشی سے کسی قول یا فعل پر آپ کی رضامندی کو محسوس کیا ہے اور پھر قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات و معمولات کو لوگوں تک پہنچایا ہے وہ ہیں اصحاب رسول، ان کے ارشادات حدیث کے لئے شرح و وضاحت کا درجہ رکھتے ہیں اور گویا حدیث رسول ہی کا ایک حصہ ہیں؛ اِسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے بعد بہت سارا اختلاف دیکھو گے، اس وقت وہ لوگ حق پر ہوں گے، جنھوں نے میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ اختیار کیا ہوگا، ما انا علیه و اصحابی (ترمذی، ابواب الایمان، حدیث :٢٦٤١) نیز آپ کا ارشاد ہے کہ تم اس طریقے کو اختیار کرو، جو میرا اور میرے خلفا راشدین کا ہے، علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین (ترمذی، ابواب العلم، حدیث : ٢٦٧٢)

## کتاب اللہ، سنت رسول اور اقوال صحابہ لازم وملزوم

اِس طرح کتاب اللہ، سنت رسول اور صحابہ کے وہ اقوال جو صرف ان کے اجتہاد پر مبنی نہ ہوں اور جن میں عقل و قیاس کا دخل نہ ہو، ایک اکائی کا درجہ رکھتے ہیں، اِن میں سے ایک پر دوسرے کو چھوڑ کر مکمل عمل ہو نہیں سکتا، نہ قرآن پر پورا پورا عمل کیا جاسکتا ہے، اگر حدیثیں نظر انداز کردی جائیں، اور نہ منشا نبوی کو پوری طرح سمجھا اور عمل میں لایا جاسکتا ہے، اگر صحابہ کی توضیحات سے صرف نظر کرلیا جائے۔ قرآن وحدیث میں بعض امور کو اِس درجہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ایک ہی معنی متعین ہے، عام طور پر ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا

## اجماع امت شریعت کی ایک اہم دلیل

لیکن کچھ احکام ایسے الفاظ میں دیئے گئے ہیں، جن میں ایک سے زیادہ معنوں کی گنجائش ہے، ایسے مسائل میں بعض وہ ہیں جن پر خود امت کا اتفاق ہے، اِس اتفاق کو اصطلاح میں اجماع کہتے ہیں، یہ بھی شریعت کی ایک اہم دلیل ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کسی غلط بات پر مجتمع نہیں ہوسکتی: لا یجتمع امتی علی ضلالة (ترمذی، ابواب الفتن، حدیث: ۲۱۶۷)

اور یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کہ کسی بات پر تمام اہل علم کا متفق ہوجانا کسی بنیاد و دلیل کے بغیر نہیں ہوسکتا؛ اس لئے یہ بھی دین میں حجت ہے اور اس سے آیات واحادیث کی غلط معنی آفرینی، دور از کار تاویل اور ہوا وہوس پر مبنی تشریح کا دروازہ بند ہوتا ہے۔

## علم کلام، علم فقہ، علم الاخلاق

کتاب وسنت، آثار صحابہ اور امت کی اجماعی و اتفاقی آرا کو سامنے رکھ کر اور جن آیات و احادیث میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال تھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف افعال کا موقع ومحل واضح نہ ہونے کی وجہ سے بظاہر تعارض تھا، یا ان کا صریحا کتاب وسنت میں ذکر نہیں ہے اور غور وفکر کی مختلف جہتیں ان کے سلسلہ میں موجود ہیں، ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے معتبر، بالغ نظر، خشیت الٰہی سے مامور مخلص اور دیدہ ور علما نے عام مسلمانوں کی سہولت کے لئے زندگی کا پورا نظام مرتب کیا اور جن مسائل کا تعلق اعتقادات و ایمانیات سے تھا، ان کو علم کلام کا نام دیا گیا اور ان سے شغف رکھنے والے متکلمین کہلائے، اور عملی زندگی کے احکام وقوانین کو فقہ کا نام دیا گیا اور اس کی خدمت کرنے والے فقہا کہلائے، نیز جن لوگوں نے قرآن وحدیث کی اخلاقی تعلیمات اور تزکیہ نفوس سے متعلق امور کو جمع کیا اور ان کو سامنے رکھ کر افراد کی تربیت کی، ان کو صوفیا کہا گیا اور ان کے اس علم کو تصوف کا نام دیا گیا، اس میں شبہ نہیں کہ تصوف میں بعد کے دین نا آشنا لوگوں نے بعض عجمی تصورات ورواجات کو اپنا لیا، جو درست

نہیں ہے؛ لیکن بہتر حال وہ اپنی اصل کے اعتبار سے اسلامی اخلاق ہی کی مرتب شکل ہے اور اسی لئے اِس کو علم الاخلاق بھی کہتے ہیں؛ لہٰذا کلام، فقہ اور بدعات و بے جا رسومات سے پاک تصوف دراصل قرآن و حدیث ہی کی عملی صورت گری سے عبارت ہے، یہ ایک ایسی مرتب اور منضبط شکل ہے کہ اس کے ذریعہ دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

## راشد شاذ کا انکار حدیث واجماع امت

جناب راشد شاذ صاحب بہ مشکل قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کا اقرار کرتے ہیں؛ لیکن حدیث رسول کے منکر ہیں، صحابہ کے اقوال وافعال کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں، امت کے اجماع اور اتفاق کو حجت ماننا ان کے نزدیک ایک غلط مفروضہ ہے اور جب دین کے یہ بنیادی ماخذ ان کی نظر میں غیر معتبر اور ناقابل تسلیم ہیں تو ظاہر ہے کہ علم کلام، فقہ اور تصوف کا ان کے یہاں کیا گذر ہوگا وہ تو ان کی نظر میں دریا برد کردیئے جانے کے لائق ہے، اس لئے وہ اپنی کتابوں میں قدم قدم پر ایمان وعقیدہ کی تشریح کرنے والے متکلمین، قرآن مجید کی شرح ووضاحت کا فریضہ ادا کرنے والے مفسرین، اجتہاد و استنباط کے ذریعہ عملی زندگی سے متعلق احکام مرتب کرنے والے فقہا نیز صوفیا اور سلف صالحین کا استہزا کرتے ہوئے خوب محظوظ ہوتے ہیں، ان کو مطالعہ تاریخ بھی انھیں یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں سب سے بری قوم مسلمان ہیں، اِس امت کی بداعمالیاں، بداطواریاں اور کوتاہیاں ان کی نگاہوں کے سامنے اِس طرح ہیں کہ گویا دوپہر کی دھوپ؛ لیکن اس امت کی اخلاقی خوبیاں اور ان کے علمی وفکری کارنامے ان کی نظر میں اتنے کم ہیں کہ دوربیں کی آنکھوں سے بھی نظر نہیں آئیں۔

## راشد شاذ کا قرآن کی تشریح میں تحریف

یہ جو میں نے عرض کیا کہ وہ قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کا بمشکل اقرار کرتے ہیں، یہ بمشکل کا لفظ بے وجہ نہیں ہے، وہ قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح وتفسیر میں ایسی بے جا تاویل وتوضیح کی راہ اختیار کرتے ہیں، جو گذشتہ چودہ سال کے عرصہ کے سلف صالحین کی تشریح سے یکساں مختلف ہے، قرآن مجید ابدی کتاب ہے اور قیامت تک کی انسانیت کی ہدایت کیلئے ہے؛ لیکن شاذ صاحب کی خنجر بے داد سے قرآن مجید کی یہ حیثیت بھی محفوظ نہیں رہ سکی اور وہ قرآن کے بعض احکام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے لئے مخصوص مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اب یہ احکام تبدیل کردیئے جائیں، جیسے قرآن نے بیٹیوں کے مقابلہ بیٹوں کا حصہ دوہرا رکھا ہے؛ کیوں کہ خاندان کی ساری مالی ذمہ داریاں بیٹوں پر رکھی گئی ہے اور بیٹیوں کو ان سے فارغ رکھا گیا ہے، شاذ صاحب کا خیال ہے کہ اب دونوں کا حصہ برابر کردینا چاہئے، گویا قرآن کو بھی وہ اس کے دوام واستمرار اور آفاقیت کے تصور کے

ساتھ نہیں مانتے ؛ چوں کہ مسلم سماج میں رہتے ہوئے اور اسلام کا نام پر لے کر قرآن مجید کا سرے سے انکار ممکن نہیں تھا ؛ اس لئے انھوں نے بہ تکلف اس کے کتاب الٰہی ہونے کا اقرار تو کرلیا ؛ لیکن یہ بھی ان کے لئے کڑوا گھونٹ ہے جو اتارے حلق سے نہیں اترتا۔

## راشد شاذ کی گمراہ کن کتاب

اِس سلسلہ میں ان کی کتاب ادارک زوالِ امت نہایت گمراہ کن کتاب ہے اور فکری شذوذ و انحراف کی ایک افسوس ناک مثال ہے، جو امت کو الحاد، مذہب بیزاری اور خدابیزاری کی طرف لے جاتی ہے، افسوس! اور بالائے افسوس یہ بات ہے کہ کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مدارس اسلامیہ کے برج کورس کیلئے ایسے شخص کو ذمہ دار مقرر کیا ہے، جن کی دینی وعصری تعلیم کے درمیان پل بننے کی امید تو کم ہی ہے ؛ لیکن اس بات کا پورا پورا اندیشہ ہے کہ یہ شعبہ اسلامی اقدار اور دینی مسلمات سے انکار کے درمیان ضرور پل بن جائے گا، اور یہ اندیشہ واقعہ کی جو صورت اختیار کررہا ہے، جیسا کہ اس شعبہ کے فارغین کی تحریری نمونوں سے معلوم ہوتا ہے۔ یونیورسٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے نام پر ایسی اسلام مخالف حرکتوں کو روکے، اور مدارس کا فریضہ ہے وہ اپنے فضلا کو حقیقی صورت حال سمجھائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سونا سمجھ کر بے قیمت پیتل خرید کرلیں، نیز خود فضلا کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی تحریک سے متاثر نہ ہوں،

## مولانا آزاد یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے اپیل

اس حقیر نے جب اخبار میں دیکھا کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں بھی برج کورس شروع ہونے جارہا ہے تو دل کانپ اٹھا کہ کہیں یہ شاذ صاحب کے ایجنڈے کی توسیع تو نہیں ہے اور میں نے مانو (MANUU) کے محترم وائس چانسلر سے اس موضوع پر گفتگو بھی کی، مجھے بڑی خوشی ہے کہ انھوں نے اِس حقیر کے نقطہ نظر کو قبول کیا اور کہا کہ یہاں ہرگز ایسا کچھ نہیں ہوگا، خدا کرے دوسری اقلیتی یونیورسیٹیاں میں اس کو پیش نظر رکھیں، اگر ایک شخص شراب کہہ کر شراب بیچے تو ہمیں ایک جمہوری ملک میں اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے ؛ لیکن اگر شراب کو شہد کہہ کر بیچا جائے تو سچائی کا اظہار اور حقیقت کی وضاحت ضروری ہے ؛ کیوں کہ یہ ایک دھوکہ ہے اور اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ کوئی شخص پوری امت کو اپنے دھوکہ کا شکار بنادے، اور بالخصوص ایسی صورت میں کہ یہ کسی شخص کے ذاتی افکار کا مسئلہ نہیں رہ گیا ہے؛ بلکہ ایک ایسی دانش گاہ جسے مسلمانوں نے اپنے خون جگر سے پالا ہے، اس کے اقلیتی کردار کو بچانے کیلئے زبردست جدوجہد کی ہے اور آج بھی اس کا یہ کردار داو پر لگا ہوا ہے کو ایسے نادرست افکار کے رنگ میں رنگنا ملت اسلامیہ کی گرانقدر کوششوں کے ساتھ بے وفائی ہے، اس پس منظر میں یہ سطور لکھی گئی ہے،

وما ارید الاصلاح والله هو المستعان. (بشکریہ بصیرت فیچرس)